پیغام سیرت

اسوۂ حسنہ کے خانگی مظاہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

انسانی زندگی کے بہت سے دائرے ہیں، اس کی پوری زیست ان ہی دائروں کے گرد گھومتی ہے، اور دنیا وآخرت دونوں کے اعتبار سے کامیاب شخص وہی ہے جو ان تمام دائروں میں رہتے ہوئے اور تمام لوازم زیست کو برتتے اور استعمال کرتے ہوئے ان میں سے کسی ایک دائرے میں اپنے آپ کو گم نہیں کرتا اور کسی دائرے میں اس کا اپنا وجود ضم نہیں ہوجاتا، بلکہ وہ سب کو دیکھتا ہے اور برابر دیکھتا ہے، سب کے حقوق ادا کرتا ہے اور اس سلسلے میں مکمل عدل وانصاف سے کام لیتا ہے، وہ گھر کے اوقات دفتر کے لئے وقف نہیں کرتا، اور دفتری امور میں گھریلو زندگی کی ملاوٹ نہیں کرتا، وہ احباب کے تعلق کو نبھاتے ہوئے اہل قرابت کو فراموش نہیں کرتا، اور اپنی ضرورتوں کی کفالت کی خاطر اپنے متعلقین کے حقوق اور ان کی ضرورتوں سے صرف نظر نہیں کرتا، یہ تمام اخلاقی اوصاف ایسے ہیں، جنہیں سراہنے والے دنیا کے ہر کونے میں پائے جاتے ہیں، اور جن کے عمدہ اور اچھے ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، لیکن اسوۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے ان خالص دنیاوی امور کی ڈور کو آخرت کی فلاح سے منسلک کردیا ہے، اور کامیاب مومن اسی کو قرار دیا ہے جو ان پہلوؤں کے اعتبار سے بھی کمال وحسن رکھتا ہے، نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی صرف یہی خوبی نہیں ہے کہ وہاں قول وعمل ایک ہیں، اور ایک کو دیکھ کر دوسرے کو بہ سہولت جانا اور پہچانا جاسکتا ہے، بلکہ اس کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زندگی کے یہ دائرے اپنے اپنے مدار میں یکساں فاصلے اور بالکل متناسب رفتار سے گردش کرتے نظر آتے ہیں، کوئی

دائرہ نہ تو دوسرے سے ٹکراتا ہے، نہ دوسرے کی حدود میں مداخلت کرتا ہے، اس بات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا تو بہت آسان ہے، لیکن اس کا حق ادا کرنا کار دارد ہے، اور اسی لئے ایک مومن کامل کی پہچان بھی ہے۔

زندگی کے ان دائروں میں غالباً سب سے اہم دائرہ خانگی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ دائرہ پھر مزید چند چھوٹے چھوٹے دائروں میں تقسیم ہو جاتا ہے، کیونکہ گھریلو اور خانگی زندگی میں انسان کا واسطہ ان چند رشتوں سے پڑتا ہے، والدین، اہل خانہ، اولاد، اہل قرابت اور ملازمین، ان تمام رشتوں اور تعلقات کی نوعیت باہم مختلف ہے، اور انسانیت کا کمال یہ ہے کہ ان رشتوں کا امتیاز و اختلاف برقرار رہتے ہوئے ان سے روابط کو استوار رکھا جائے، انسانی فطرت یہی کہتی ہے کہ ان دائروں کی حدود باہم ٹکرانے نہ پائیں، اور ان رشتوں کا تقدس و حسن بھی اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے، جب ان کا امتیاز برقرار رہے۔

ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ انسانی زیست کا یہ ایک نازک مقام ہے، اور اس باب میں نہ افراط قابل قبول ہے نہ تفریط، یہاں حد درجہ احتیاط کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی کامیابی کی کلید ہے تو ذرا سی بے احتیاطی فلاح و کامیابی کے راستے سے بھٹکانے کے لئے کافی ہے۔ ایسے میں ہمارے لئے رسول اکرم نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بہترین سبق موجود ہے، ہمیں دیکھنا ہے کہ آپ ﷺ نے ان دائروں کی گردش کو کس طرح مسخر کیا؟ اور کس حسن تدبیر سے کام لے کر افراط و تفریط کے مابین راستہ بنایا، اور امت کے سامنے پیش کر دیا، زیر نظر سطور سیرت طیبہ کے اسی پہلو کے ایک مختصر مطالعے اور اس کے نتائج مشتمل ہیں۔

ہماری موجودہ حالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، ہمارے گھروں کی کیفیت ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لئے بہت بڑا سوالیہ نشان ہے، پریشان سب ہیں اور ان مصائب کے حل کے متلاشی بھی، مگر شاید ہم اس حقیقت سے کم واقف ہیں کہ ہماری ان پریشانیوں کا حل ہمارے گھر میں موجود ہے، ضرورت صرف ذرا سی توجہ سے اسے سمجھنے اور پھر اس پر بھرپور عمل کی ہے، کاش اسوۂ حسنہ کا یہ روشن چراغ ہمارے گھروں میں پھر سے فیروزاں ہو کر اپنی روشنی پھیلا سکے، آمین۔

خاندان:

انسان کی گھریلو زندگی اس کے خاندان کے گرد گھومتی ہے اس لئے آغاز میں خاندان کی اہمیت پر غور کرنا ضروری ہے۔ انسانی معاشرت کا جائزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ خاندان پوری انسانی زندگی کی اساس و

بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، یہ میاں بیوی، والدین، اولاد اور اہل قرابت سے تشکیل پاتا ہے اور اس کا نظام ایک اکائی کی صورت میں کام کرتا ہے، اس کے مثبت انداز میں سرگرم رہنے سے پورا معاشرہ راحت پاتا ہے، اور اس میں کسی جانب سے بھی رخنہ اندازی آہستہ آہستہ پورے انسانی معاشرے کو متاثر کر ڈالتی ہے، اس لئے خاندان کا استحکام اور صحیح بنیاد پر اس کا استوار ہونا نہایت ضروری ہے، اور خاندان کے استحکام کا مدار اس امر پر ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی باہم ایک دوسرے سے کس حد تک مربوط ہیں، خاندان کے ان اجزا کو باہم مربوط رکھنے کے لئے اسلام نے واضح ہدایات فرمائیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اپنے اسوۂ حسنہ کی صورت میں مثالی نمونۂ عمل عطا فرمایا ہے، جو ہر دور میں ہر اعتبار سے قابل عمل ہے، جناب ڈاکٹر خالد علوی کے بقول:

> آپ ﷺ نے خاندان کو انتشار سے بچانے اور اسے استحکام بخشنے کے لئے باہمی حقوق و فرائض کا ایک سلسلہ قائم کر دیا، جس پر عمل پیرا ہو کر انفرادیت پسندی، عدم اطمینان، پریشانی اور انتشار جیسے معاشرتی امراض کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، اسلام فرد اور جماعت کے تعلق میں جس توازن و اعتدال کا علمبردار ہے اس کا تقاضا ہے کہ خاندان کی حیثیت ایک اجتماعی اکائی کے طور پر قائم رہے تا کہ اجتماعی تربیت کا ابتدائی مرکز وسیع تر اجتماعی شعور اور فلاح کے لئے موثر کام کرے۔ حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں خاندان کے جملہ عناصر ترکیبی مثلاً والدین، ازواج، اولاد، اقربا اور غلاموں کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔(۱)

والدین:

والدین انسان کے نہ صرف اس دنیا میں آنے کا سبب ہیں بلکہ اس کی اصل بنیاد اور ماخذ و مصدر سبھی کچھ ہیں، طبعی طور پر بھی انسان والدین کا بہت سی بلکہ ان گنت چیزوں اور بے شمار شعبوں میں محتاج ہے، عادات، اطوار، اخلاق، لب ولہجہ، زبان و بیان، قد کاٹھ، شکل وصورت، رسوم و رواج، پسند ناپسند وغیرہ کتنے ہی امور انسان میں والدین کی جانب سے منتقل ہوتے ہیں اور انسان اپنی پوری زندگی میں ان سے فیض یاب ہوتا اور فائدے اٹھاتا ہے، اس لئے انسان پر والدین کے احسانات لامتناہی اور نہ ختم

۱۔ ڈاکٹر خالد علوی/ انسان کامل/ الفیصل، لاہور/ص ۵۱۵

ہونے والے ہیں، اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اولاد اپنے باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتی، سوائے اس کے کہ وہ باپ کو کسی کے پاس غلام دیکھے اور اسے خرید کر آزاد کر دے۔(۲)

قرآن حکیم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے، جس کے مفہوم میں حسن سلوک اور ان کی اطاعت وتابعداری شامل ہے، پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے کی تلقین کرنے کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (۳)

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اور دوسرے مقام پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اس طرح تلقین فرمائی گئی۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (۴)

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو "ہوں" بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو اور ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے جھکاؤ اور کہو کہ اے میرے پروردگار تو ان دونوں پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

حقیقت یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی یہ تعلیم تمام آسمانی کتب کا حصہ ہے، چنانچہ

Monthly MUHADDIS Lahore
99-J Model Town, Lahore-54700
Phone: 5866476-5856396

۲۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ/ الجامع السنن/ دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج ۳، ص ۳۶۳، رقم ۱۹۱۳، ☆ مسلم، ابو الحسین بن حجاج/ الصحیح / دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء/ ج ۲، ص ۴۲۳، رقم ۱۵۱۰، ☆ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید/ السنن/ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۹۸ء/ ج ۴، ص ۵۱۷، رقم ۳۶۵۹، ۳۔ سورۂ نساء، آیت ۳۶، ۴۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳، ۲۴

تورات وانجیل کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، تورات میں فرمایا گیا:

تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور باپ سے ڈرتا رہے۔(۵)

اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے گا مار ڈالا جائے گا، اس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے اس کا خون اسی پر ہے۔(۶)

تو اپنے ماں باپ کو عزت دے، تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تجھے دیتا ہے دراز ہو۔(۷)

اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو ماں یا باپ پر لعنت کرے، جان سے مارا جائے، پر تم کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے باپ یا ماں کو کہے کہ جو کچھ مجھے تجھ کو دینا واجب ہے سو خدا کی نذر ہوا اور اپنے ماں باپ یا ان کی عزت نہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں، پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔(۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے مال اور جان دونوں کو اس کے والد کی ملک قرار دیا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: ان لی مالا و ولدان، وان ابی یحتاج الی مالی میرے پاس مال و دولت بھی ہے اور میں صاحبِ اولاد بھی ہوں، میرے والد کو میرے مال کی احتیاج ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

انت و مالک لابیک۔(۹)

تم بھی اور تمہارا مال بھی دونوں تمہارے باپ کے ہیں۔

ایک اور روایت میں آپ نے والدین کی خدمت کو جہاد قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں جہاد میں شریک ہو سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے والدین (زندہ) ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ

۵۔ احبار/ ج ۲۰/ص ۱۹، ۶۔ احبار/ ج ۱۹، ۲۰، ☆ خروج/ ج ۷، ص ۲۱، ۷۔ خروج/ ج ۱۲، ص ۲۰، ۸۔ متی۔ تورات وانجیل کے مذکورہ تمام حوالے سیرت النبی/ ج ۶ سے ماخوذ ہیں، ۹۔ ابن ماجہ/ ج ۳، ص ۵۲، رقم ۲۲۹۲، ☆ ابن حبان، ابوحاتم محمد بن حبان التمیمی (م ۳۵۴ھ)/ الصحیح/ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج ۲، ص ۱۴۲، رقم ۴۱۰، ☆ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین/ السنن الکبریٰ/ دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء/ ج ۷، ص ۴۸۰، ۱۵۵۲۷

ہاں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر انہی میں جہاد کرو، یعنی ان کی خدمت کرو۔(۱۰)

دوسری روایت میں آتا ہے: حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین تمہاری جنت بھی ہیں (اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو) اور تمہاری دوزخ بھی (اگر ان کی نافرمانی کرو)۔(۱۱)

ایک روایت میں والدین کی خدمت کو رزق میں اضافے اور عمر کی درازی کا سبب قرار دیا حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کے رزق میں اضافہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ان کی صلہ رحمی کرے۔(۱۲)

پھر یہی نہیں بلکہ مشرک ماں کی خدمت کو بھی لازم قرار دیا۔حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میری ماں میرے پاس آئی۔اس وقت وہ مشرکہ تھی، میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہوئی ہے اور وہ مجھ سے مالی امداد کی طالب ہے۔کیا میں اس کے ساتھ صلۂ رحمی کرسکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا، ضرور، اپنی ماں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو۔(۱۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کو اللہ کی رضامندی کا باعث بھی بتایا۔چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو نیک اولاد ماں باپ پر محبت بھری ایک نظر ڈالتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو ایک حج مقبول کا ثواب عطا فرماتا ہے۔لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی ایک دن میں سو بار اسی طرح رحمت ومحبت کی نظر ڈالے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔ہاں۔اگر کوئی سو بار ایسا کرے تب بھی۔اللہ تعالیٰ (تمہارے تصور سے) بہت بڑا اور (تنگدستی جیسے عیبوں سے) بالکل پاک ہے۔(۱۴)

۱۰۔بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم/ الصحیح/مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۵۳ء/ ج ۴، ص ۳۴، ☆مسلم، ابوالحسین بن حجاج/ الصحیح/ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء/ ج ۴، ص ۱۶۳، رقم ۲۵۴۹، ☆ترمذی/ ج ۳، ص ۲۵۵، رقم ۱۶۷۷، ۱۱۔ابن ماجہ/ ج ۴، ص ۵۱۷، رقم ۳۶۶۱، ۱۲۔احمد بن محمد بن حنبل/ المسند/ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج ۴، ص ۱۶۹، ۱۳۔بخاری، کتاب الھبہ، باب الھدیہ للمشرکین، ☆ابوداؤد، سلمان بن الشعث السجستانی/ السنن/ دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج ۲، ص ۴۹، رقم ۱۶۶۸، ☆مسلم/ ج ۲، ص ۹۰، رقم ۱۰۰۳، ۱۴۔مشکوٰۃ المصابیح، محمد بن عبداللہ الخطیب العمر تبریزی، مطبع مجتبائی، دہلی/ کتاب البر والصلۃ،

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والدین کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک کی صورت یہ ہے کہ تم ان کے لئے دعا و استغفار کرو، جو عہد وہ پورا نہ کر سکے ہوں تم اس کو پورا کرو، ان کی وجہ سے جس کے ساتھ صلۂ رحمی ہو سکتی تھی وہ کرو اور ان کے دوستوں کا احترام کرو۔ (۱۵)

پھر چونکہ اولاد کی پرورش میں ماں کی محنت اور مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس سلسلے میں اسے زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے اسلام کی نگاہ میں ماں کا درجہ بھی باپ سے بڑھا ہوا ہے، ایک روایت میں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو حسن معاملہ کا مستحق قرار دیا، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے اچھے معاملے کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری ماں۔ اس نے عرض کیا کہ پھر کون ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری ماں، اس نے عرض کیا کہ پھر کون، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری ماں، اس نے عرض کیا کہ پھر کون ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تیرا باپ۔ (۱۶)

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ماں یا اس کی قائم مقام یعنی خالہ کی خدمت کو توبہ کی قبولیت کا سبب بتایا چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے بعض بڑے گناہ کئے ہیں، کیا ان کی توبہ ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کوئی خالہ ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (یہی ان بڑے گناہوں کی توبہ ہے)۔ (۱۷)

اس کے برعکس والدین کی نافرمانی کرنے والے اور ان کی خدمت نہ کرنے والے شخص کو بد قسمت ترین شخص قرار دیا، حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص رسوا ہوا، بے عزت ہوا۔ لوگوں نے دریافت کیا، کون یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جس نے اپنے ماں باپ، دونوں کو یا کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور (ان کی خدمت کر کے) بہشت میں داخل ہونے کا موقع حاصل نہ کیا۔ (۱۸)

۱۵۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۷۴، رقم ۵۱۴۲، ☆ ابن ماجہ/ ج ۴، ص ۵۱۸، رقم ۳۶۶۴، ☆ حاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبد اللہ النیسابوری/ المستدرک/ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰/ ج ۴، ص ۱۷۱، ۱۶۔ بخاری/ ج ۴، ص ۳۴، ☆ ابن ماجہ/ ج ۴، ص ۵۱۶، رقم ۳۶۵۸، ۱۷۔ ترمذی/ ج ۳، ص ۳۶۲، رقم ۱۹۱۱، ☆ حاکم/ ج ۴، ص ۱۷۱، ۱۸۔ مسلم/ ج ۴، ص ۱۶۵، رقم ۲۵۵۱،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بہت پہلے وفات پا گئے تھے، آپ کے والد حضرت عبداللہ صحیح قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو ماہ پہلے انتقال کر گئے تھے، جب کہ اس وقت خود ان کی عمر ۱۸ سال تھی، (۱۸/الف) جبکہ آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر مبارک صرف ۶ برس تھی، اس لئے آپ ﷺ کو ان کی خدمت کا موقع بھی نہ مل سکا۔ (۱۹) لیکن آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ جن کا ہوازن کے معزز و معروف قبیلے بنوسعد سے تعلق تھا، اور جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا تھا، وہ کافی عرصے حیات رہیں، انھوں نے جس شفقت و محبت سے آپ کی پرورش کی اس کا صلہ آخرت میں تو ملے گا ہی دنیا میں بھی ان کے وہم و گمان سے بڑھ کر ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عہد رسالت تک زندہ رکھا اور اسلام سے مشرف فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو ماں کے برابر سمجھتے تھے اور ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ وہ آپ سے ملنے آئیں تو آپ ﷺ میری ماں میری ماں کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ اسی طرح آپ کو اپنے رضاعی بھائی اور بہنوں سے بھی بڑی محبت تھی، خصوصاً حذیفہ سے جو شیماء کے لقب سے مشہور ہیں، یہ بڑی تھیں اور حضور کی خدمت کیا کرتی تھیں، غزوہ حنین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھیں تو آپ نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی تھی۔ (۲۰)

اسی طرح حضرت ابوطفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ (ایک جگہ کا نام) میں گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عورت آئی اور آپ ﷺ کے بہت قریب پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ آنحضرت کی رضاعی ماں ہیں۔ (۲۱)

ابوداؤد کی مراسیل کی ایک روایت میں ذکر ملتا ہے عمر بن سائب روایت کرتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد تشریف لائے، آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنے کپڑے کا کچھ حصہ بچھا دیا، جس پر وہ بیٹھ گئے، پھر آپ ﷺ کی رضاعی والدہ تشریف لائیں، آپ

۱۸/الف۔ تفصیل و دیگر اقوال کے لئے دیکھئے: زرقانی علی مواہب اللدنیہ، ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج ۱، ص ۱۰۹، ☆ علی بن برہان الدین الحلبی / انسان العیون (سیرت حلبیہ) دارالحیاء التراث العربی، بیروت/ ج ۱، ص ۸۴، ۱۹۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع البصری/ الطبقات/ دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۷ء/ ج ۱، ص ۵۵۔ ☆ ابن سیدالناس، ابوالفتح محمد بن محمد/ عین الاثر/ مکتبہ دارالتراث، مدینہ منورہ ۱۹۹۲ء/ ج ۱، ص ۹۹، ۲۰۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ/ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء/ ج ۱، ص ۱۸۵، ☆ عیون الاثر/ ج ۱، ص ۹۳، ۲۱۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۷۴، رقم ۵۱۴۴،

ﷺ نے اس کپڑے کا مزید حصہ ان کے لئے دراز فرما دیا، وہ بھی اس پر تشریف فرما ہوگئیں، پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تشریف لائے تو آپ کھڑے ہوگئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھا دیا۔(۲۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل قرابت خصوصاً والدین کے بارے میں اس قدر احترام کے جذبات رکھتے تھے کہ ابولہب کی باندی ثویبہ نے آپ ﷺ کو صرف ایک دو روز دودھ پلایا تھا، مگر آپ ﷺ ان کا بھی بہت احترام فرماتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد ثویبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں، ہجرت کے بعد بھی آپ ﷺ کبھی کبھی مدینہ منورہ سے ان کے لئے تحفہ بھیجتے، مکہ فتح ہونے پر آپ ﷺ نے ثویبہ اور ان کے بیٹے مسروح کے بارے میں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے، پھر فرمایا کہ اس کے عزیزوں میں سے کوئی زندہ ہے تاکہ اس کے ساتھ کچھ حسن سلوک اور احسان فرمائیں تو معلوم ہوا کہ اس کے رشتہ داروں میں سے بھی کوئی زندہ نہیں ہے۔(۲۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے اس دلی احترام کا پتہ چلتا ہے جو آپ ﷺ کے دل میں اپنے رضاعی رشتے داروں کے لئے تھا، اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہماری اس بارے میں راہنمائی کرتا ہے کہ اپنے والدین اور قریبی عزیز کے ساتھ ہمارا رویہ، انداز اور برتاؤ کس قدر قربت، محبت اور احترام پر مبنی ہونا چاہئے۔

آج ہمارے گھروں میں اس حوالے سے جو صورت حال پیدا ہوتی جارہی ہے، اس کے لئے ان سطور میں ہدایت وراہنمائی کا بہت سامان موجود ہے، ہم بعض اوقات لاپرواہی میں، کبھی نادانستگی میں اور کبھی جانتے بوجھتے ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو احترام والدین کے منافی ہیں، بعض اوقات ہمارے رویے ان تعلیمات کے شایان شان نہیں ہوتے، یہ سب باتیں ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہیں، ہم سب کو اس حوالے سے اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہئے۔

بحیثیت شوہر:

عفت وعصمت ان چیزوں میں سے ہے جن کی حفاظت اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے،

۲۲۔ البدایۃ والنہایہ/ ج۴، ص۳۹۳، ۲۳۔ محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری/ الطبقات الکبریٰ/ دار صادر، بیروت، ۱۹۵۷ء، ☆ السہیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ/ الروض الانف/ دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء/ ج۱، ص۱۸۶،

عفت وعصمت کا جذبہ فطرت انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے، مرورِ زمانہ سے اس میں اگر تغیر آیا بھی ہے تو اس کے اسباب خارجی نوعیت کے ہیں، اوران سے صرف یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ انسانی فطرت جہاں پر ان کے اثرات قبول کر کے مسخ ہو جاتی ہے وہاں اس قسم کے حادثات جنم لیتے ہیں، عفت وعصمت کی حفاظت کے لئے اسلام نے نکاح کا پورا قانون وضع کیا اوراس پر چلنے کی ترغیب دی ہے۔ سورۂ نور میں فرمایا:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط (۲۴)

اورتم میں سے جو مجرد ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اورتمہارے غلام اور باندیاں جو نیک ہوں ان کے بھی (نکاح کر دیا کرو)۔

تعلیمات اسلام اعتدال کا دوسرا نام ہے، اسلام انسانوں کو نہ تو فرشتہ بننے پر مجبور کرتا ہے اور نہ وہ ان کا شیطان بننا گوارہ کرتا ہے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے دائرے میں رہ کر زندگی گزارے اور یہی اس کا کمال ہے، وہ کھانا پینا بھی نہ چھوڑے اور روزے بھی رکھے، اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور راحت وآرام بھی، شادی کر کے جنسی میلان بھی پورا کرے، مگر عفت وعصمت کی حفاظت کے وقت فرشتہ بھی بن جائے، گویا وہ ایک ایسا انسان ہو جس کے اندر ملکوتی صفات بھی ہوں اور انسانی اوصاف بھی، یہ بات انسانی مجد وشرف کے خلاف ہے کہ وہ اپنے دامن عفت کو آلودہ ہوتے ہوئے دیکھ کر برداشت کرے، جنسی میلان کی تکمیل اگر انسان کا پیدائشی حق ہے تو اسی کے ساتھ ناجائز طریقوں سے اجتناب اس کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ (۲۵)

اسی بنا پر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

يا معشر الشباب من استطاع منكم الباء ة فليتزوج فانه اغض للبصر و احصن للفرج۔ (۲۶)

اے نوجوانو! تم میں سے جو طاقت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ شادی کر لے، اس لئے کہ یہ نگاہ کو پست رکھتی ہے اور شرم گاہ کی محافظ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوالے سے جن بنیادی باتوں کی تلقین کی ان میں یہ بات

۲۴۔ سورۂ نور، آیت ۳۲، ۲۵۔ مولانا محمد ظفر الدین مفتاحی ندوی/ اسلام کا نظامِ امن/ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۹۹۱ء/ص ۳۴۷، ۲۶۔ بخاری/ کتاب النکاح۔ باب من لم يستطع الباء ة فليصم، ☆ابن حبان/ ج ۹، ص ۳۳۵، رقم ۴۰۲۶، ☆ الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن/ السنن/ قدیمی کتب خانہ کراچی/ ج ۴، ص ۱۷۷، رقم ۲۱۶۵

سرفہرست تھی کہ انسان اس میدان میں بھی اعتدال کو سامنے رکھے اور اس کا طرز عمل افراط وتفریط دونوں سے بالکل پاک ہو، چنانچہ ایک دفعہ تین صحابہ کرامؓ کا شانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے اور آپ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں، پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں پوری رات شب بیداری میں گزارا کروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا، تیسرے نے کہا میں کبھی عورت کے پاس نہیں جاؤں گا، اس گفتگو کی اطلاع جب آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں نے یہ کیا بات طے کی ہے، خدا کی قسم میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہوں، اور اس کا اطاعت گزار بھی ہوں، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات میں سوتا بھی ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں، لہٰذا سن لو کہ نکاح میری سنت ہے، جو شخص میرے اس طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (۲۷)

نکاح ایک کثیر المقاصد فریضہ ہے، جس پر خاندان کی عمارت استوار ہوتی ہے، دو افراد (مرد و عورت) سے مل کر بننے والا، چھوٹا سا اجتماعی دائرہ انسان کی معاشرتی حیات کا پہلا قدم ہے، نکاح کی حیثیت باہم مکمل رضامندی سے ہونے والے اس کھلے معاہدے کی سی ہے جسے پورے اعتماد کے ساتھ علانیہ طور پر کیا جاتا ہے۔ نکاح کے بغیر مرد و زن کا تعلق بدترین معصیت اور ایک ایسا جرم ہے جس کی سخت ترین سزا مقرر ہے، معاہدہ نکاح کے ذریعے دونوں اپنے اوپر بھاری ذمہ داریاں عائد کر لیتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے ان کے پابند ہو جاتے ہیں، اس رشتے کی وجہ سے جو ایک چھوٹی سی وحدت بنتی ہے، مرد اس کا نگراں ہوتا ہے، اور اس حیثیت سے اپنے اہل وعیال کی دنیوی ضرورتوں اور اُخروی فلاح دونوں کا خیال رکھنا اس کے فرائض منصبی کا حصہ ہے جس کے لئے وہ جواب دہ ہے، اور بیوی اس کے زیر ہدایت گھر کا نظم ونسق چلاتی ہے اور اس حیثیت سے اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نہ صرف گھر کے اندرونی نظم ونسق کو سنبھالے بلکہ شوہر کی حقیقی رفاقت کرے اور اپنی عفت کو پوری طرح محفوظ رکھے۔ (۲۸)

چونکہ انسانی زندگی کا سب سے پہلا دائرہ اس کی گھریلو زندگی ہے اور اس کا زیادہ تر وقت اپنے اہل وعیال میں گزرتا ہے، اسی لئے ہر شخص اپنے اہل وعیال سے گہری محبت بھی رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ایثار وقربانی کا سلوک بھی کرتا ہے۔ آدمی چونکہ اہلِ خانہ کے ساتھ اپنا زیادہ وقت گزارتا ہے۔ اس

۲۷۔ بخاری باب الترغیب فی النکاح، ۲۸۔ پروفیسر خورشید احمد/ اسلامی نظریہ حیات/ شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۹۳/ص ۴۱۷

لئے وہ غیروں کے سامنے تو اپنی وضع اور بھرم برقرار رکھ سکتا ہے مگر اپنے اہلِ خانہ اور خدمت گاروں کے سامنے یہ وضع اور بھرم قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ان سے اپنی بدمزاجی، درشت خوئی، غصہ اور ایسے ہی دوسرے عیوب کو چھپا نہیں سکتا۔ مگر آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ، اسوۂ حسنہ اور عادات واخلاق کا ایک سب سے امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی خانگی زندگی میں ان چیزوں کا شائبہ تک نہیں ملتا۔(۲۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شوہر بھی ہمارے لئے مثالی اسوۂ حسنہ رکھتے ہیں، جس سے روشنی حاصل کر کے ہم اپنے گھروں کو روشن تر کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں شوہروں کو حکم دیا گیا:

وَعَاشِرُوْ هُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (۳۰)

اور ان کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اس کی عملی تصویر تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیرکم خیرکم لا ھلی، وانا خیرکم لاھلی (۳۱)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سے بہتر ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ نے عورتوں سے حسنِ سلوک کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان کے اعتبار سے مومنوں میں سب سے کامل وہ لوگ ہیں جو ان میں سے زیادہ حسن خلق والے ہیں اور تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہیں۔(۳۲)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک، پرہیزگاری اور صلح جوئی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان یطعمھا اذا طعم وان یکسوھا اذا اکتسی ولا یضرب الوجہ

۲۹۔ سید فضل الرحمٰن/ ہادی اعظم ﷺ/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۰ء/ ج ۱، ص ۵۲۰۔ ۳۰۔ سورۂ نسا، آیت ۱۹، ۳۱۔ ترمذی/ ج ۵، ص ۴۷۵، رقم ۳۹۲۱، ☆ ابن ماجہ/ ج ۲، ص ۶۲۹، رقم ۱۹۷۷، ☆ مستدرک/ ج ۳، ص ۳۵۲، رقم ۵۳۵۹، ۳۲۔ ۳۲۔ ترمذی/ ج ۲، ص ۳۸۷، رقم ۱۱۶۵،

ولا یقبح ولا یھجر الا فی البیت۔ (۳۳)

جب خود کھائے تو اس کو کھلائے، جب خود پہنے تو اس کو پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے اور اگر اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو یہ گھر کے اندر ہی ہو، یعنی خفا ہو کر گھر نہ چھوڑ دو۔

عورتوں کے مزاج میں حساسیت، عجلت، ضد اور ان سے ملتی جلتی صفات کا تناسب زیادہ ہوتا ہے، یہ باتیں ان کی فطری ساخت اور مزاج کا حصہ ہیں، جن سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں، نہ انہیں تبدیل کیا جا سکتا ہے، لیکن بعض اوقات مرد حضرات خواتین کی ان نفسیاتی کیفیتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی ضد کے مقابلے میں سختی سے کام لے کر ان کی ضد اور ٹیڑھے پن کو نکال دیں۔ ایسے مردوں کو آپ ﷺ نے ایک نہایت عمدہ تشبیہ کے ذریعے نصیحت فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کیونکہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے۔ جس سے اس کے ٹیڑھے پن کے ساتھ تم جس قدر کام لے سکتے ہو لو۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی فکر کرو گے تو اس کو توڑ ڈالو گے۔ (۳۴)

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک روایت میں مردوں کو بیویوں کے معاملے میں خوش، قانع اور راضی رہنے کا ایک نہایت عمدہ نسخہ بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومن بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (۳۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف خواتین کو بھی مردوں کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے اور انہیں خیر و فلاح کے راستے پر گامزن رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے عورت کو شوہر کی مکمل اطاعت کرنے کا حکم دیا اور یہاں تک فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (۳۶)

ام سلمہؓ سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا اس حالت میں انتقال ہوا کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا، تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ (۳۷)

۳۳۔ ابن ماجہ کتاب النکاح/ ج ۲، ص ۵۹۰، رقم ۱۸۵۰، ۳۴۔ بخاری کتاب النکاح باب الوصاۃ بالنساء۔ ☆ مسلم/ ج ۲، ص ۳۸۱، رقم ۱۴۶۸، ☆ بیہقی/ ج ۱۱، ص ۱۳۵، ☆ حاکم/ ج ۴، ص ۱۹۲، ۳۵۔ مسلم/ ج ۲، ص ۳۸۱، رقم ۱۴۶۸، ۳۶۔ ترمذی/ ج ۲، ص ۳۸۶، رقم ۱۱۶۲، ☆ مستدرک/ ج ۴، ص ۱۹۰، ☆ بیہقی/ ج ۱۱، ص ۱۲۹، ۳۷۔ ابن ماجہ/ ج ۲، ص ۵۹۲، رقم ۱۸۵۴

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت پر سب سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے۔(۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کے بعد صالح عورت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کہ شوہر اس کو جو کہے وہ مانے اور شوہر جب اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور اگر شوہر اس کو قسم دے کر کچھ کہے تو وہ اس کی قسم پوری کر دے اور شوہر گھر پر نہ ہو تو اپنے آپ کی اور اس کے مال کی پوری حفاظت کرے۔(۳۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہمارے لئے اس حوالے سے بھی مثالی نمونے کی حیثیت رکھتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بڑی ازدواجی زندگی گزاری، آپ نے مختلف مصلحتوں کے پیش نظر کئی شادیاں کیں، اور ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ نو ازواج بھی آپ ﷺ کے عقد میں رہیں، یہ ایک بڑی تعداد ہے، اور عام ماحول کو دیکھا جائے تو آپ کی یہ زندگی بجائے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال انسانیت اور نبوت کی دلیل ہے، آپ ﷺ نے نہ صرف بہترین خانگی زندگی کے لئے مکمل و جامع ہدایات عطا فرمائیں بلکہ اس اعلیٰ ترین معیار کے مطابق اپنا اسوۂ حسنہ بھی پوری دنیا کے سامنے پیش فرما دیا۔ آپ ﷺ کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس برس اور آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال تھی، حضرت خدیجہ نے ۶۵ برس کی عمر میں وفات پائی اس طرح وہ پچیس سال تک آپ ﷺ کے ساتھ رہیں، ایک جانب عمروں کا یہ تفاوت پھر اتنی طویل رفاقت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ دور بھی ایسا کہ قدم قدم پر آزمائشیں، مشکلات اور طرح طرح کے مصائب مگر یہ سارا زمانہ حسن معاشرت کا بہترین نمونہ ہے، اس دوران ذرا دیر کے لئے بھی کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی، جس سے کسی قسم کی رنجش یا کدورت کا اشارہ مل سکتا، آخر ایک مثالی معاشرت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی؟ پھر حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد بھی آپ ﷺ نے ان سے تعلق منقطع نہیں کیا، بلکہ اس کے بعد بھی آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں اور ملنے جلنے والی خواتین کے ہاں ہدایا اور تحائف وغیرہ بھجواتے رہے۔(۴۰)

آپ ﷺ کے حسن معاشرت کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ نو ازواج مطہرات کے ساتھ آپ

۳۸۔ علی متقی الہندی/ کنز العمال/ التراث الاسلامی، بیروت/ رقم ۴۴۷۷۱، ۳۹۔ مستدرک/ ج ۲، ص ۱۷۵، ۴۰۔ مستدرک/ ج ۴، ص ۱۹۳

کا برتاؤ مکمل طور پر یکساں تھا، آپ خود فرماتے تھے۔

اللھم ھذا فعلی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (۴۱)

اے اللہ! یہ میرا کام ہے اس امر میں جس کا میں مالک ہوں، اور جس امر کا تو مالک ہے اور مجھے اُس بارے میں کچھ قدرت نہیں تو اس میں مجھے ملامت نہ کر۔

جب کہ کاشانہ نبوی ﷺ کی جو مالی کیفیت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں، کئی کئی روز چولہا تک نہیں جلتا تھا اور کھجور وغیرہ پر گزارا ہوتا تھا، ایسے حالات میں عین ممکن تھا کہ کوئی بات خلاف مزاج پیش آجاتی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبر، مساوات پر مبنی برتاؤ اور کریمانہ طرز عمل نے ان حالات کو بھی تمام ازواج مطہرات کے لئے مسرت بخش بنا دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی خوبی یہ تھی کہ آپ ﷺ کسی بات میں ازواج میں سے کسی کی حق تلفی یا کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہونے دیتے تھے۔ اور ان کے ساتھ نہایت عمدہ اور بہتر سے بہتر سلوک کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں کسی قسم کی بیہودگی اور لغویت نہیں تھی، نہ آپ ﷺ کبھی چلاتے تھے اور نہ کبھی برائی کے بدلے میں برائی سے پیش آتے تھے بلکہ آپ ﷺ درگزر سے کام لیتے تھے۔ (۴۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ باری کی اتنی پابندی فرماتے کہ کبھی ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا کہ آپ ﷺ سب ازواجِ مطہرات کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں۔ آپ ﷺ روزانہ عصر کی نماز کے بعد ازواج کے گھروں میں تشریف لے جاتے، ان کے پاس بیٹھتے، ان کے حالات معلوم کرتے۔ جب رات ہو جاتی تو وہاں تشریف لے جاتے جہاں باری ہوتی اور وہیں شب بسر فرماتے۔ (۴۳)

بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی انہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی۔ کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں۔ (۴۴)

۴۱۔ نسائی، احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن (م ۳۰۳ھ) / السنن الکبریٰ / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء / ج ۵، ص ۲۸۱، رقم ۸۸۹۱، ☆ ابن ماجہ / ج ۲، ص ۶۲۷، رقم ۱۹۷۱، ☆ ابن ابی شیبہ، ابوعبداللہ محمد، (م ۲۳۵ھ) / المصنف / مکتبہ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ / ج ۴، ص ۳۷، رقم ۱۷۵۴۱، ۴۲۔ ترمذی / ج ۳، ص ۴۰۹، رقم ۲۰۲۳، ☆ احمد / ج ۷، ص ۲۵۰، ۴۳۔ سیرت النبی / ج ۲، ص ۲۶۰، ۲۶۱، ۴۴۔ مسلم / ج ۲، ص ۳۷۷، رقم ۱۴۶۲

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ ﷺ جب کسی سفر پر روانگی کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے اور جس کا نام قرعے میں نکلتا انہیں ساتھ لے جاتے، حالانکہ از روئے شریعت آپ ﷺ اس کے پابند نہ تھے۔ لیکن ازواج مطہرات کی رعایت فرماتے ہوئے آپ قرعہ اندازی فرماتے۔ (۴۵)

اسلام نے اس دور جاہلیت میں جب کہ عورت ہر اعتبار سے پستیوں اور ذلتوں کا شکار تھی اسے بھرپور، مکمل اور مثالی حقوق عطا کئے، آپ ﷺ نے خواتین کو معاشی تحفظ بھی فراہم کیا، چنانچہ قرآن حکیم میں عورتوں کے مہر کے بارے میں حکم ہوا۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ○ (۴۶)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، پھر اگر وہ (خود) اپنی خوشی سے اس (مہر) میں سے تمہارے لئے کچھ چھوڑ دیں تو اسے شوق سے مزے سے کھاؤ۔

اور عورتوں کے نفقے کے بارے میں فرمایا گیا:

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ۔ (۴۷)

وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق نفقہ واجب ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق۔

ازواج مطہرات کے مابین آپ ﷺ کی تربیت اور برکت سے اتنے عمدہ تعلقات تھے کہ عام حالات میں ان کا تصور بھی ممکن نہیں۔ واقعۂ افک میں جب چند دریدہ دہن منافقوں نے عفیفۂ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو دیگر ازواج مطہرات خصوصاً ان ازواج کے لئے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کے دعوے دار تھیں، یہ ایک عمدہ موقع تھا، لیکن جب آنحضرت ﷺ نے اس بابت ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کی رائے جاننا چاہی تو باوجود اس کے کہ ان کی بہن حمنہ بھی مخالفین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو چکی تھیں اور وہ خود بھی کئی حوالوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں، انہوں نے صاف صاف الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت فرمائی اور یہاں تک فرمایا:

۴۵۔ بخاری/کتاب النکاح، اب القرعۃ بین النساء اذا اراد سفرا، ۴۶۔ سورۂ نساء، آیت ۴، ۴۷۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۶

واحمی سمعی وبصری واللہ ماعلمت علیھا الاخیراً۔ (۴۸)

میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں، میں خدا کی قسم عائشہؓ کے متعلق سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتی۔

آنحضرت ﷺ کی ذاتی زندگی جس طرح سادگی کی مثال تھی، وہیں آپ کے اہل وعیال نے بھی آپ کی پیروی کا حق ادا کر دیا۔ آپ ﷺ کی ازواج میں اکثر بڑے ناز ونعم میں پلی ہوئی اور بڑے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کی محبت کی برکت سے ان کا میلان کبھی بھی دنیا کی عارضی نعمتوں کی طرف نہیں ہوا۔ اسے آنحضرت ﷺ کی تربیت کا اثر اور محبت کی برکت ہی قرار دیا جائے گا کہ جب عبداللہ ابن زبیرؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دو بوریوں میں رقم بھیجتے ہیں جو پونے دو لاکھ درہم سے زائد تھی تو اسے آپ جب تقسیم کرنے بیٹھتی ہیں تو اسے ختم کر کے ہی اٹھتی ہیں اور جب روزے کے افطار کا وقت ہوتا ہے تو سوکھی روٹی اور زیتون کے تیل کے سوا کچھ کھانے کو گھر میں موجود نہیں ہوتا۔

ہمارے ہاں آج یہ عالم ہے کہ الا ماشاء اللہ کم ہی گھروں میں باہمی تقسیم کار کی وہ نوعیت موجود ہوگی جو تعلیمات نبوی ﷺ سے معلوم ہوتی ہے، اور جس کی وضاحت اسوۂ حسنہ سے ہوتی ہے، روایت مذکورہ میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ معیار سے کم کوئی بات نہیں فرماتے تھے، بلکہ کسی قسم کی کمزور بات کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے، اور آپ یہ کوشش فرماتے تھے کہ گھریلو معاملات کو انسانی فطرت ومزاج کے مطابق چلایا جائے، اسی لئے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں نہ تصنع تھا نہ تکلف، آج کی ہماری مسرفانہ زندگی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے اور مصائب ومشکلات کے بھنور سے نکلنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ اسوۂ حسنہ کے ان واضح اور عملی پہلوؤں کا بہ غور مطالعہ کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی مکمل کوشش کی جائے۔

اولاد سے تعلق:

خانگی زندگی کا تیسرا اہم دائرہ اولاد سے تعلق رکھتا ہے، انسانی معاشرے کا یہ وہ پہلو ہے، جس کے بغیر کوئی معاشرہ تکمیل نہیں پا سکتا، اس کی یہ اہمیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اسے دنیاوی زندگی میں اس کی اہمیت کے مطابق بھرپور حصہ دیا جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے قبل کسی ایسی آواز کا پتہ نہیں چلتا

۴۸۔ بخاری/الصحیح / ج ۲، ص ۶۹۔۷۱

جو اس سلسلے میں دنیا کے کسی کونے سے بھی بلند کی گئی ہو، اسلام سے پہلے والدین کو تو اپنی اولاد پر لامحدود اختیارات حاصل تھے مگر اولاد کا والدین پر کس طرح کا کوئی حق نہیں مانا جاتا تھا، یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار امتیازات میں سے ایک ہے کہ آپ نے اس باب میں بھی حقوق وفرائض کا توازن و تناسب قائم کیا اور بتایا کہ چھوٹوں اور بڑوں کی حدود اور ان کے حقوق وفرائض کے پیمانے بیشک جدا جدا ہیں مگر قانون کی رو سے کوئی بھی فرائض سے بالاتر نہیں، جس طرح بڑوں کے حقوق ہیں اور چھوٹوں پر اس حوالے سے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اسی طرح چھوٹوں کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی بڑوں کے فرائض میں شامل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع ترین قول مبارک ہے، فرمایا:

لیس منامن لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا۔ (۴۹)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کو اولاد کے اس دنیا میں آنے کا باعث وذمے دار بنایا ہے، اس لئے والدین کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ وہ اولاد کشی کے کسی طریقے کو روا نہ رکھیں۔ (۴۹/ الف) اس مسئلے کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ قرآن حکیم میں شرک اور والدین کی نافرمانی کی حرمت کو بیان کرنے کے بعد اس کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ (۵۰)

آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں سناؤ جو تمہارے رب نے تم پر حرام کردی ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور تنگدستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق

۴۹۔ حاکم/ ج ۱، ص ۱۳۱، رقم ۲۰۹، ☆ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۱۱، رقم ۴۹۴۳، ۴۹/ الف۔ اسلام بلاضرورت عزل اور اسقاط حمل کی مختلف صورتوں کی تائید نہیں کرتا، نہ انہیں اچھا سمجھتا ہے، اور ایسا کرنے پر سخت گناہ کی وعید سناتا ہے، لیکن اس مسئلے کی حدود کیا ہیں؟ ضرورت کے تحت کونسی صورتیں داخل ہیں، یہ خالصتاً فنی اور فقہی مسئلہ ہے، اس کے لئے متعلقہ کتب کی طرف رجوع کیا جائے، ۵۰۔ سورۂ انعام، آیت ۱۵۱

دیتے ہیں اور انہیں بھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس گناہ کو عظیم گناہوں میں شمار کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے دریافت کیا، یا رسول اللہ، سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا شرک، پوچھا اس کے بعد فرمایا والدین کی نافرمانی، پھر عرض کی اس کے بعد، فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔(۵۱)

والدین پر اولاد کا دوسرا اہم حق یہ ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کو حُسنِ ادب سے آراستہ کرے۔(۵۲)

اور اگر نام کسی سبب سے مناسب نہ ہو تو اسے بدل دینا چاہئے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیح ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔(۵۳)

تیسرا اہم حق یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اور نشوونما کا بھرپور خیال رکھے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں ماں اپنے بچے کو دودھ پلائے اور اگر ماں نہ ہو تو باپ پر رضاعت کا انتظام کرنا اور اس کی اُجرت ادا کرنا فرض قرار دیا گیا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط (۵۴)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں، یہ مدت اس کے لئے ہے جو چاہے کہ رضاعت کی مدت پوری کرے۔

جسمانی نشوونما کے بعد قرآن کریم نے اولاد کی تربیت کی طرف بھی توجہ دلائی اور فرمایا!

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ ءَ امَنُوا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ (۵۵)

ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس

۵۱۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، وتفسیر سورۂ بقر، وسورۂ فرقان، وکتاب الادب وکتاب المحاربین وصحیح مسلم کتاب الایمان، ۵۲۔ مجمع الزوائد/ ج ۸، ص ۹۳، رقم ۱۲۸۲۹، ۵۳۔ ترمذی/ ج ۴، ص ۳۸۲، رقم ۲۸۴۸، ۵۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۳، ۵۵۔ سورۂ تحریم، آیت ۶

کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی تعلیم اور تربیت کے فریضے کی جانب متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے۔(۵۶)

پھر اسلام کی نظر میں مرد و عورت برابر ہیں، اسی طرح لڑکا اور لڑکی میں بھی کوئی تفریق نہیں، اور اگر کوئی ایسا تصور رکھتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی مکمل نفی فرمادی، چنانچہ لڑکیوں کی پرورش کی یہ کہہ کر تلقین کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو لڑکیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔(۵۷)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو قیامت کے روز وہ شخص اور میں اس طرح ہوں گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔(۵۸)

نبیٔ رحمت ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد سے تعلق بڑا قریبی نوعیت کا تھا، آپ کی اپنی بھی اولاد تھی، چار صاحبزادیاں تھیں، اور تین صاحبزادے (صحیح قول کے مطابق) صاحبزادے اگرچہ جلد ہی وفات پا گئے، مگر ان سے تعلق کے بہت سے مظاہر اوراق سیرت میں محفوظ ہیں، پھر آپ ﷺ کے کئی نواسے و نواسیاں تھیں، جن سے آپ کی الفت و تعلق قلبی کے بہت سے واقعات ہمارے سامنے موجود ہیں۔

آپ ﷺ بچوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ بچوں پر آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا خیال ہوتا ہے کہ میں لمبی نماز پڑھوں مگر نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز کو چھوٹا کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ اس کی ماں پر سختی کی جائے۔(۵۹)

آپ کو اپنی نواسی اُمامہ بنتِ زینبؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس اقرع

۵۶۔ ترمذی/ ج ۳، ص ۳۸۳، رقم ۱۹۵۹، ☆ ابوبکر احمد بن حسین البیہقی/ شعب الایمان/ دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبعہ اولیٰ، ۱۹۹۰ء/ ج ۲، ص ۲۵۶، ۵۷۔ بخاری، کتاب الادب، باب ۱۸، ☆ مسلم/ ج ۴، ص ۱۹۹، رقم ۲۶۶۹، ☆ ترمذی/ ج ۳، ص ۳۶۷، رقم ۱۹۲۲، ۵۸۔ مسلم/ ج ۴، ص ۱۹۹، رقم ۲۶۳۱، ۵۹۔ بخاری، کتاب الآذان باب من اخف الصلوۃ عند بکاء الصبی

بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے کہا کہ میرے دس لڑکے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں چوما، آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا (اس پر) رحم نہیں کیا جاتا۔(۶۰)

بچپن میں ایک بار آپ ﷺ کی نواسی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا آپ کے کندھے پر تھیں اسی حال میں آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، جب آپ رکوع میں جاتے تو انہیں اتار دیتے تھے اور جب کھڑے ہوتے تو انہیں پھر سوار کر لیتے۔(۶۱)

آنحضرت ﷺ طبیعتاً رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف میں دیکھ کر آپ آب دیدہ ہو جاتے تھے، ایک بار آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہلوا بھیجا کہ میری بچی بستر مرگ پر ہے، آپ ﷺ تشریف لائے، بچی کو آپ کی گود میں دے دیا گیا، بچی جان کنی کے عالم میں تھی اور سخت مضطرب تھی، آپ ﷺ کی آنکھوں میں یہ منظر دیکھ کر آنسو آ گئے، حضرت سعدؓ نے جو اس موقع پر موجود تھے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا، یہ رحمت ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے رکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف ان پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔(۶۲)

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک اور واقعہ ہم سب کے لئے سبق آموز ہے، اور وہ دنیاوی تعلقات اور اللہ تعالیٰ سے ربط وتعلق کی حدود کی بہت عمدہ تشریح بھی کرتا ہے، آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے، جب ان کی علالت شدت اختیار کر گئی اور وقت آخر قریب آیا تو آپ ﷺ ابوسیف کے ہاں پہنچے، ان کی اہلیہ حضرت ابراہیم کی رضاعی والدہ تھیں، اور حضرت ابراہیم اس وقت جان کنی کے عالم میں تھے، یہ دیکھ کر آپ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ رو رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو شفقت ورحمت ہے پھر فرمایا:

ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الاما یرض ربنا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون (۶۳)

آنکھ روتی ہے، دل غمگین ہے، مگر ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی پر آزردہ ہیں۔

۶۰۔ بخاری کتاب الادب باب رحمة الوالد و تقبیله، ۶۱۔ بخاری ایضاً، ۶۲۔ بخاری/ ج ۲، ص ۳، ۶۳۔ بخاری/ کتاب الجنائز

لیکن آپ ﷺ کا اولاد اور بچوں سے یہ تعلق ایک رخانہ تھا، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کا یہ پہلو بھی اپنے اندر جامعیت کی امتیازی شان کا حامل ہے، آپ ﷺ نے صرف ان سے تعلق خاطر کا اظہار ہی نہیں کیا، بلکہ ہمہ وقت ان کی تربیت بھی فرماتے رہے، اور ان کے روز وشب کی نہایت کڑی نگرانی بھی کرتے رہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی ہیں، لیکن ان کی یہ محبت بھی انہیں دنیاوی نعمتوں کی فراہمی کے لئے مجبور نہیں کرسکی، چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑے گئے تھے اور گھر کے کام کاج تنہا کرنے کی بناء پر طرح طرح کے مشقتیں اٹھاتی تھیں۔ مگر ایک بار جب آپ ﷺ سے گھر کے کام کے لئے ایک لونڈی کا مطالبہ کیا تو آپ نے انکار کردیا اور فرمایا کہ یہ فقراء و یتیموں کا حق ہے۔ (۶۴)

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سونے کا ہار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا کہ اے فاطمہ! کیا تم لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے، یہ سن کر انہوں نے وہ ہار بیچ دیا۔ اس کی اطلاع جب آپ ﷺ کو ملی تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات دی۔ (۶۵)

ایک بار آپ ﷺ کی کسی سفر سے واپسی کی خوشی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دروازے پر پردہ لٹکا دیا اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنا دیئے۔ آپ ﷺ جب تشریف لائے تو یہ رنگ دیکھ کر واپس ہوگئے۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ ﷺ کی ناراضگی ملاحظہ کرکے پردہ فوراً پھاڑ دیا اور حسنینؓ کے ہاتھوں سے کنگن اتار ڈالے، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما روتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں، میں نہیں چاہتا کہ میرے اہل بیت دنیاوی لذتوں سے آلودہ ہوں۔ (۶۶)

ہمارے گھروں میں خصوصیت کے ساتھ اس پہلو سے بے توجہی کی شکایت عام ہے، والدین خصوصاً باپ کاروبار حیات میں اس قدر غرق ہیں کہ انہیں اس پہلو پر توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں، بعض صورتوں میں تو کئی کئی روز بلکہ ہفتوں بچوں سے ملاقات نہیں ہوتی، والدین کی نظر میں آج اولاد کے حوالے

۶۴۔ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ/ دارالاشاعت، کراچی/ سیرت النبی/ ج ۲، ص ۲۶۳،
۶۵۔ نسائی/ السنن/ کتاب الزینۃ، باب کراہیۃ النساء فی اظہار الحلی والذہب، ۶۶۔ نسائی/ ایضاً

سے صرف یہ دلچسپی قائم ہے کہ وہ کس طرح اعلیٰ تعلیمی مراتب پر جلد از جلد فائز ہوتے ہیں۔ اور مزید تعلیم کے لئے اور پھر ملازمت یا کاروبار کے لئے بیرون ملک کس قدر جلد جانے میں کامیاب ہوتے ہیں، کچھ عرصے قبل تک والدین کم از کم حقیقی تعلیمی قابلیت کے تو خواہاں ہوتے تھے، اب وہ عنصر بھی ختم ہو چکا ہے، اب ان کی دلچسپی محض اچھے نمبروں کے حصول میں ہے، اور اس کے لئے سفارش اور رشوت سے لے کر دباؤ اور جبر کی ہر صورت کو روا سمجھا جا رہا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام بھی تباہ ہو رہا ہے، اور طلبا بھی تعلیمی حوالے سے کسی امتیاز کے حامل نظر نہیں آتے، یہ سب تعلیمات نبوی سے لاعلمی اور اسوہ حسنہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اور اس سلسلے میں ہمارے طرزِ عمل کے جو نقصانات سامنے آ رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، مگر اس سلسلے میں ہم خود بھی اپنے فرائض ادا نہ کر کے سخت گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں، یہ بات بالکل واضح ہے کہ اولاد کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم اور تربیت بھی والدین کے اولین فرائض میں شامل ہے اور اس میں صرف دنیاوی تعلیم شامل نہیں، بلکہ تعلیم و تربیت کا وہ حصہ بھی ضروری اور اہم ہے جو ہمیں اخروی کامیابی سے ہمکنار کر سکے۔

اہل قرابت سے روابط:

انسان کی گھریلو زندگی میں اولاد کے بعد اہل قرابت کا درجہ ہے، اہل قرابت کی حدود بہت وسیع ہیں، اس میں وہ تمام اعزا شامل ہیں جو کسی بھی رشتے کی رو سے قرابت رکھتے ہوں، پھر ان میں سے جو جس قدر قریب ہوگا اسی قدر ہمارے حسنِ سلوک کا مستحق ہوگا، اسلام تمام اہل قرابت کو ایک دوسرے کا دلی خیر خواہ، ہمدرد، مددگار اور غم گسار دیکھنا چاہتا ہے، اسی لئے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر رشتے داروں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صلہ رحمی کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے، لیکن اس میں یہ فرق بھی شریعت محمدیہ نے ملحوظ رکھا ہے کہ یہ تعاون صرف نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہوگا، وہ تمام امور جن کی بنیاد معصیت پر ہو یا جو کسی بھی نوع کی خالق کی نافرمانی یا مخلوق کی حق تلفی پر مبنی ہوں وہ صلہ رحمی کے دائرے میں نہیں آتے، اسلام نے خون کے رشتوں کو تقدس عطا کرنے، ان کا احترام قائم رکھنے اور ان کی بنیاد پر صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لئے بہت سے اقدامات کئے ہیں۔

اہل قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اللہ تعالیٰ کے ان خاص احکام میں سے ہے جن کا انسان سے عہد لیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے!

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ اِسْرَآئِيلَ لَا تَعْبُدُونَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ

اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ – (٦٧)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا کی اور اس عمل سے فارغ ہو گیا تو رحم نے عرض کیا کہ یہ اس کا مقام ہے جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگتا ہے، اللہ نے فرمایا کہ ہاں، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں اس سے جوڑوں جو تم سے اپنے آپ کو جوڑے اور اس سے توڑ لوں جو تم سے اپنے آپ کو توڑے، رحم نے کہا کیوں نہیں اے رب، اللہ نے فرمایا کہ پس یہ مقام تمہارے لئے ہے۔ (٦٨)

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پوری ادا کرو، زکوٰۃ دو اور قرابت داروں کا حق ادا کرو۔ (٦٩)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔ (٧٠)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کے مرتکب کو بہت جلد دنیا ہی میں اس کا بدلہ یا عذاب دے اور آخرت میں بھی اس کے عذاب کو جمع رکھے مگر دو گناہ ہیں امام وقت کے خلاف بغاوت اور قطع رحمی (٧١)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کوئی احسان جتانے والا، قطع تعلق کرنے والا اور شراب کشید کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (٧٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح زندگی کے دوسرے معاملات میں حقوق و فرائض کے

٦٧۔ سورۂ بقرہ آیت ۸۳، ٦٨۔ بخاری کتاب الادب باب من وصل و صله الله، ٦٩۔ بخاری کتاب الادب باب فضل صلة الرحم، ٧٠۔ بخاری کتاب الادب باب من بسط له فی الرزق بصلة الرحم. مسلم ایضاً، ٧١۔ ابوداؤد/کتاب ادب، باب فی النہی عن البغی، ٧٢۔ نسائی/کتاب الاشربۃ، باب توبہ شارب الخمر

توازن وتناسب کو اہتمام کے ساتھ قائم کرنے کی تاکید فرماتے تھے، اور پھر خود عملی طور پر اس پر عمل پیرا ہو کر دکھاتے تھے، آپ کی یہی شانِ جامعیت اس معاملے میں بھی نمایاں ہے، آپ ﷺ کا اپنا طرزِ عمل اس باب میں یہ تھا کہ آپ نے آغازِ کار ہی سے لوگوں کو صلح جوئی اور صلہ رحمی کی تاکید کی اور یہ ایک تاریخی حقیقت اور امر واقعی ہے کہ آپ ﷺ کی کاوشوں کے نتیجے میں دنیائے عرب کا وہ حصہ جو آپ سے قبل طرح طرح کے اختلافات، فسادات، لڑائیوں اور خون ریزیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، متحد و متفق امتِ واحد میں تبدیل ہو گیا، اس مقصد کے لئے آپ ﷺ نے گروہی تعصبات کا خاتمہ کیا، قبائلی منافرتوں کو ختم کیا اور خاندانی اختلافات کو دور کیا، یہ سب باتیں اہل قرابت میں بھائی چارے کے فروغ اور مستحکم تعلقات کے احیا میں معاون ثابت ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ بھی خاص حسن سلوک پر مبنی طرزِ عمل اختیار کیا، آپ ﷺ نے آغاز دعوت ہی میں اپنے رشتے داروں کو دعوت اسلام دی، انہیں نام بہ نام پکار کر ان تک اسلام کا پیغام پہنچایا، پھر جب کلمۂ حق بلند کرنے کے سبب آپ ﷺ پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور طرح طرح کی مشکلات سے آپ ﷺ کے لئے راہ زیست تنگ کی گئی، تب بھی آپ نے جوابی کارروائی کے طور پر کوئی ایسا اقدام نہ کیا جن سے مشرکین مکہ کو کوئی نقصان اٹھانا پڑتا، جن میں آپ ﷺ کے قریبی عزیز بھی شامل تھے۔ اور جو خود آپ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، پھر جب یمن کے سردار ثمامہ نے ایمان لانے کے بعد اہل مکہ کو غلے کی فراہمی بند کر دی تو اہل مکہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی انہوں نے آپ کو یہی لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ہم آپ کے رشتے دار ہیں، آپ ﷺ ثمامہ سے کہہ کر ہمارا غلہ بحال کروایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کی اور حضرت ثمامہؓ کو اہل مکہ کا غلہ بحال کرنے کا حکم دیا۔ (۷۳)

غزوۂ حنین کے موقع پر جب مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اسیران جنگ مسلمانوں کی تحویل میں آئے اور اسیرانِ جنگ مسلمانوں کی تحویل میں آئے، تو آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء بھی آپ کے پاس لائی گئیں، انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں، آپ ﷺ نے علامات سے انہیں پہچان لیا تو انہیں کہا کہ اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو پورے اعزاز و احترام کے ساتھ رہ سکتی ہو، اور اگر اپنی قوم میں واپس لوٹنا چاہو تو یہ بھی ممکن ہے، میں پوری عزت کے ساتھ رخصت کروں گا، چنانچہ

۷۳۔ بخاری/ ج ۳، ص ۵۶۔ حلبی/ ج ۳، ص ۱۷۲

انہوں نے دوسری صورت کو پسند کیا اور آپ ﷺ نے انہیں تحائف کے ساتھ رخصت کیا۔ (۷۳/ الف) اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر اپنی چادر ان کے لئے بچھادی اور فرمایا کہ جو مانگو گی تمہیں ملے گا، اور جس چیز کی سفارش کروگی وہ پوری ہوگی۔ (۷۴)

غزوۂ بدر کے موقع پر جو قیدی گرفتار ہوکر مدینہ منورہ لائے گئے، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان تمام قیدوں کو باندھ کر رکھا گیا تھا، رات کو بندش کی سختی کے سبب حضرت عباس کے کراہنے کی آواز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعتوں تک پہنچی تو آپ کی آنکھوں سے نیند جاتی رہی، جب صحابہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے سبب دریافت کیا، آپ ﷺ نے وجہ بتادی، صحابہ نے حضرت عباس کی بندشیں کھولنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر بھی انہیں امتیازی طور پر کسی سہولت سے فیض یاب نہیں کیا، بلکہ فرمایا کہ سب قیدیوں کی بندشیں کھول دو۔ (۷۵)

نوفل بن حارث آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ آنحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ ان کو شادی کی خواہش ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ایک خاتون سے ان کی شادی کا اہتمام کیا، ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ابورافع اور ابوایوب کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی اور اس کے بدلے تیس صاع جو لے کر عطا کئے۔ (۷۵/ الف)

حضرت عبداللہؓ آپ کے چچا حضرت عباس کے صاحبزادے ہیں وہ بچپن ہی سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ان کو بلاکر فرطِ محبت سے آغوشِ عاطفت میں بٹھایا اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی:

اللھم بارک فیه وانشر منه۔ (۷۶)

اے خدا اس پر برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا۔

فتح مکہ کے وقت ام ہانی جو آپ ﷺ کی چچازاد بہن اور ابوطالب کی صاحبزادی تھیں نے کہا یارسول اللہ میں نے ابن ہبیرہ کو پناہ دی ہے لیکن علیؓ کہتے ہیں کہ وہ اس کو قتل کریں گے۔ آپ ﷺ نے

۷۳/ الف۔ ابن اکثیر، عماد الدین/ البدایۃ والنہایۃ/ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۱ء/ ج ۴، ص ۳۹۳، ۷۴۔ ایضاً، ۷۵۔ حلبی/ ج ۲، ص ۴۵۸، ☆ ابن اکثیر، عماد الدین/ السیرۃ النبویہ/ دار احیاء، التراث العربی/ السیرۃ النبویہ/ ج ۲، ص ۴۶۲، ۷۵/ الف۔ مستدرک/ ج ۳، ص ۲۴۶، ۷۶۔ ابن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، مکتبہ تجاریہ الکبریٰ، مصر، ۱۹۳۹ء/ ج ۲، ص ۳۲۳

یہ سن کر فرمایا:

قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی۔ (۷۷)

اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

لیکن دوسری جانب اگر ہم اس حوالے سے اپنے احوال ملاحظہ کریں تو کسی اعتبار سے بھی ہمیں نبیٔ رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت معلوم نہیں ہوتی، رشتے داروں اور اہل قرابت سے ہمارے تعلقات کی قطعاً وہ نوعیت نہیں ہے جو آپ ﷺ کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہونی چاہئے، معمولی باتوں کو ہمیشہ کے لئے قطع تعلقات کی بنیاد بنالینا، بدگمانی اور سوئے ظن رکھنا، خلاف طبع کوئی بات پیش آجائے تو برسوں کے تعلقات اور خونی رشتوں تک کو یکسر فراموش کر دینا، پھر غیبت، الزام تراشی اور اس قبیل کی تمام برائیوں سے اپنے آپ کو آلودہ کرتے رہنا محض اپنے حقوق کے حوالے سے گفتگو کرنا اور اس سلسلے میں اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض سے پہلوتہی کرنا ہمارا روزمرہ کا معمول اور روایت ومزاج کا حصہ بن چکا ہے، سب سے پہلی اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ یہ تعلق اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے، اور اس کو عزت حرمت بھی اللہ ہی کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لئے اسے کوئی انسان آخر ختم کیسے کرسکتا ہے؟ انسان صرف یہ کرسکتا ہے کہ اپنے گمان وخیال میں اسے ختم کر کے اپنے طور پر بری الذمہ ہوجائے، لیکن اس کا ایسا کوئی قدم بارگاہ خداوندی میں سند نہیں رکھتا، یہ تعلقات اللہ کا بیش قیمت انعام ہیں، اس لئے اس بارے میں کسی قسم کی بھی کوتاہی کفرانِ نعمت کا درجہ رکھتی ہے، جس کا نقصان خود ہمیں ہی اٹھانا ہوگا۔

ملازمین سے رویہ:

ملازمین ہماری معاشرت اور گھریلو زندگی کا لازمی جز ہیں، وہ ہمارے ساتھ زندگی کا بہت اہم وبڑا حصہ گزارتے ہیں، اور ہماری ضرورتوں کی تکمیل کا بڑی حد تک ان پر انحصار ہوتا ہے، لیکن یہ قدرت کا نظام ہے اور فطرت کا قانون کہ کچھ لوگ جو ہم ہی جیسا وجود رکھتے ہیں، ہماری طرح کے اعضا کے مالک ہوتے ہیں، ان کی تشکیل بھی اسی مادے سے ہوتی ہے، جس سے طبقۂ اشرافیہ کے کسی اعلیٰ ترین فرد کی ہوتی ہے، لیکن چونکہ قدرت کو اس کائنات کا نظام برقرار رکھنا ہے، اس لئے سماجی اعتبار سے تفاوت قائم کر کے معاشرت کے نظم ونسق کو قائم کیا گیا ہے، یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی، مگر اس کی بنا پر کسی طبقاتی تقسیم کی گنجائش

۷۷۔ بخاری/کتاب الجہاد، باب امان النساء وجوارہن

پیدا نہیں کی جاسکتی، نہ سماجی مراتب کو کسی کے اعلیٰ یا ادنیٰ ہونے کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ قرآن حکیم نے عزت واحترام کی کسوٹی تقوے کو قرار دے کر باقی تمام راستوں کو بند کر دیا، فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط (۷۸)

اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

جس طرح موجودہ دور میں خادم اور ملازم خاندان کا لازمی حصہ شمار ہوتے ہیں، ماضی میں اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت غلاموں کو حاصل تھی، اور غلام و باندی کسی بھی خاندان کا جزو لاینفک متصور ہوتے تھے۔ اس دور میں ان کی حالت کچھ زیادہ ہی بری تھی کیونکہ وہ مال ومتاع خیال کئے جاتے تھے، انہیں اپنی ذات پر ذرا بھی اختیار نہ تھا جب کہ آج کے دور میں نوکر وخادم تو تنخواہ دار ہوتے ہیں اور انہیں چھوڑ جانے کا اختیار بھی حاصل ہے، لیکن غلام ایک بالکل بے بس مخلوق تھی جس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ نبیٔ رحمت ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے انسانیت کی جبین سے غلامی کے اس بدنما داغ کو مٹانے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے۔ آپ ﷺ ہی انہیں سب سے پہلے انسانیت کے دائرے میں لے کر آئے ہیں، آپ نے لوگوں کو بتایا کہ یہ بھی تمہاری ہی طرح کی اللہ کی ایک مخلوق ہیں، ان کے بھی کچھ حقوق تمہارے ذمے ہیں۔

آنحضرت غلاموں سے خصوصی شفقت فرماتے تھے، آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

من لاء مکم من مملوککم فأطعموہ مما تاکلون واکسوہ مما تلبسون و من لم یلائمکم فبیعوہ ولا تعذبوا خلق اللہ۔ (۷۹)

جو غلام تمہارے مزاج کے مطابق ہوں تو جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ اور جو نا موافق ہوں انہیں بیچ دو اور خلق خدا کو عذاب نہ دو۔

آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے تھے آپ ان کو ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے، لیکن وہ حضور ﷺ کے احسان وکرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے، ماں باپ، قوم قبیلے اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، زید بن حارثہؓ ایک غلام تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا، انہیں ان کے والد لینے آئے لیکن وہ آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور ان کے ساتھ جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ (۸۰)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسلام کے احکامات کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے

۷۸۔ سورۂ حجرات، آیت ۱۳، ۷۹۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۶۱، ۸۰۔ طبقات/ ج ۳، ص ۴۰۔ ۴۷

ہاں غلاموں اور باندیوں سے حسن سلوک کی عام روایت قائم ہوگئی تھی، اس حسن سلوک کا پہلا مظہر یہ تھا کہ مسلمان بڑی تعداد میں غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے، اسلام نے اس کام کو عظیم نیکی قرار دیا، اسلام میں غلاموں کی یہ اہمیت ابتدائی دور ہی سے قائم رہی۔ سورۂ بلد میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی، جن کاموں کو ''گھاٹی'' بتایا گیا ہے، ان میں ایک فَکُّ رَقَبَۃٍ یعنی گردن سے غلامی کی رسی کو کھولنا بھی ہے، چنانچہ مکہ کی پر خطر زندگی میں بھی حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے اہل ثروت مسلمانوں نے بہت سے غلاموں کو کافروں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ مدینہ آکر اس تحریک نے اور فروغ پایا اور تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ یعنی گردن کو آزاد کرنا بہت سی فروگذاشتوں کا کفارہ قرار پایا اور غلاموں کے آزاد کرنے کے لئے بہت سی ترغیبات کا اعلان کیا گیا ہے، صحابہ نے اپنے پیغمبر کی اس آواز پر لبیک کہا اور چند روز میں غلاموں کی دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی۔ حضرت حکیم بن حزمؓ نے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہیں، اسلام کے بعد سو غلام آزاد کئے۔ حضرت عائشہؓ نے صرف ایک قسم کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کئے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر نے ایک ہزار اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے تیس ہزار غلاموں کو آزادی عطا کی۔ (۸۱)

ملازموں، غلاموں سے حسن سلوک کے زمرے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انہیں تکالیف نہ دی جائیں، خصوصاً طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر نہ لادا جائے، نہ انہیں کسی ایسے کام کا مکلّف بنایا جائے جو ان کی طاقت سے باہر ہو، دور غلامی میں غلاموں اور باندیوں پر تشدد کیا جاتا تھا، لیکن نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی۔

ایک بار ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر پیچھے سے آواز دی کہ اے ابومسعود جان لو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ اختیار رکھتا ہے جتنا تم اس پر رکھتے ہو، انہوں نے فوراً عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اللہ کی رضا کے لئے آزاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں جہنم کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ (۸۲)

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر غلام تمہارے موافق نہ ہو تو تم اسے بیچ ڈالو۔ (۸۳) یعنی اگر تمہیں خادم کی کوئی بات پسند نہیں یا اس کا مزاج ناقابل قبول ہے تو تم اسے بیچ ڈالو، اس

۸۱۔ سیرۃ النبی ﷺ/ ج ۶، ص ۱۵۷۔۱۵۸، ۸۲۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۵۹، ۸۳۔ ایضاً/ ج ۴، ص ۳۸۱، رقم ۵۱۶۷

کی جگہ دوسری غلام خرید لو، لیکن تمہیں یہ حق قطعاً حاصل نہیں کہ اسے تشدد کا نشانہ بناؤ یا اس پر ظلم وستم کرو۔

آپ ﷺ نے غلاموں کو ہمیشہ برابر کا درجہ عطا فرمایا، اور مسلمانوں کو یہی تعلیم دی کہ ان کے ساتھ مساوات پر مبنی سلوک کریں، انہیں کسی بھی معاملے میں کمتر تصور نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے کچھ بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ اگر کسی ہاتھ میں اللہ نے اس کے بھائی کو دیا ہو تو اس کو چاہئے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے، جو خود پہنے وہی اسے پہنائے۔ اس کے ذمہ اتنا کام نہ ڈالے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اور اگر کام زیادہ ہو تو اس کی مدد کرے۔ (۸۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کا خادم کھانا لائے اور وہ (کسی وجہ سے) اسے اپنے ساتھ (کھلانے کے لئے) نہ بٹھا سکے تو اس کو ایک یا دو لقمے ضرور کھلانا چاہئے۔ (۸۵)

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم اپنے خادم کی غلطیوں سے کس حد تک درگزر کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی۔ آپ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دن میں ستر مرتبہ بھی غلطی کرے تو درگزر سے کام لو اور معاف کرتے رہو۔ (۸۶)

غلاموں کو لفظ غلام میں اپنی ذلت محسوس ہوتی تھی، آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی، آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص میرا غلام، میری لونڈی نہ کہے، میرا بچہ میری بچی کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں، خداوند خدا ہے، آقا کہیں۔ (۸۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاموں کا اس قدر احساس تھا کہ مرض وفات میں آپ ﷺ نے سب آخری وصیت جو فرمائی، اس میں بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی سختی سے تاکید فرمائی، آپ ﷺ کی آخری وصیت کے یہ الفاظ منقول ہیں:

الصلاة، الصلاة، اتقوا الله فيما ملكت ايمانكم۔ (۸۸)

نماز، نماز، غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔

ایک صحابی رسول نے ایک بار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے دو غلام

۸۴۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۵۸، ۸۵۔ بخاری/ ج ۲، ص ۵۷، ۸۶۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۸۰، رقم ۵۱۶۴، ☆ بخاری/ ج ۳، ص ۲۱۶، ۸۷۔ بخاری/ کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول/ ج ۳، ص ۱۲۴، ۸۸۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۷۸، رقم ۵۱۵۶، ☆ ابن ماجہ/ رقم ۲۶۹۸

ہیں جو میری تکذیب کرتے ہیں، خیانت کرتے ہیں، میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میں ان کو مارتا ہوں، برا بھلا کہتا ہوں، تو میرا عمل کیسا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر تمہاری سزا ان کے جرم کے برابر ہوگی تو ٹھیک ہے ورنہ اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے کم ہوگی تو تمہیں اجر ملے گا اور اگر ان کے جرم سے زائد ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس پر سزا دے گا۔

یہ سن کر وہ صاحب رونے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے کتاب اللہ کی یہ آیت نہیں پڑھی۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ O (۸۹)

اور روز قیامت ہم میزان عدل قائم کریں گے، پھر کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کوئی عمل) ہوگا تو ہم اس کو بھی لائیں گے اور حساب کرنے کے لئے ہم کافی ہیں۔

اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں ان غلاموں کو اپنے آپ سے جدا کرنے سے بہتر کوئی صورت نہیں پاتا، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب آزاد ہیں۔ (۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا تیار کر کے تمہارے پاس لائے اور کھانا تیار کرنے میں اس نے گرمی اور دھوئیں کو برداشت کیا ہو تو چاہئے کہ اسے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ۔ اگر کھانا کم ہو تو ایک دو لقمے ہی اسے دیدو۔ (۹۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک خادموں اور غلاموں کے ساتھ کس قسم کا تھا، اس کی مثال آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ سے سنئے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجنا چاہا، میں نے انکار کر دیا، آپ ﷺ خاموش ہو گئے، میں باہر چلا گیا، اچانک آپ نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ کھڑے مسکرا رہے ہیں، پھر فرمایا انسؓ! جس کام کے لئے کہا تھا اب تو جاؤ، میں نے عرض کیا کہ جاتا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی واقعے کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سات برس تک آپ ﷺ کی خدمت کی، مگر کبھی آپ نے یہ نہ

۸۹۔ سورۂ انبیاء، آیت ۴۷، ۹۰۔ احمد بن محمد بن حنبل/ المسند/ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج ۷، ص ۳۹۸، ۹۱۔ مسلم ۳/۱۰۷، رقم ۱۶۶۳،،

فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا یہ کام کیوں نہ کیا؟ (۹۲)

ایک جانب نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، دوسری جانب ہمارا اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ رویہ ہے، دونوں کا تقابل کر کے دیکھئے کہ کیا ان میں کہیں کوئی مناسبت ہے؟ اور ہمارا کردار و طرزِ عمل نبوی اسوۂ حسنہ سے کس قدر میل کھاتا ہے، اس میں کہاں کہاں اور کون کونسی خامیاں موجود ہیں، اور کس کس جگہ اصلاح کی ضرورت اور گنجائش ہے؟

آج ہمارا عمومی انداز یہ ہے کہ ہم ملازمین سے بشاشت کے ساتھ بات کرنا شاید اپنے مقام و مرتبے کے منافی تصور کرتے ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ آخر احباب اور دوستوں کے بے تکلف ماحول میں ہمارا جو رویہ ہوتا ہے وہ ملازمین سے گفتگو کے وقت یکسر کیوں تبدیل ہو جاتا ہے؟ پھر ان کا خیال رکھنا از روئے شریعت ہماری ذمے داریوں میں داخل ہے، اور اس سے انحراف اپنے فرائض سے کوتاہی کے زمرے میں آتا ہے، پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے ہماری ذمے داریاں دو چند ہیں، اور اسوۂ حسنہ کی تبلیغ و ترویج کا انحصار بھی ہمارے اپنے رویوں پر ہے، اور اس سلسلے میں کوتاہی بھی قابل مواخذہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے علم و عمل کو صحیح اسلامی تعلیمات میں ڈھالنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

خلاصۂ کلام:

اسلام کے عطا فرمودہ نظام معاشرت میں ہر دائرہ اپنے اپنے مقام پر مکمل بھی ہے اور ایک دوسرے سے باہم مربوط بھی، اسلام کا خانگی نظام بھی اسی بنا پر اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ باہم ربط و ارتباط رکھتا ہے، اوپر ہونے والی گفتگو سے انسان کی خانگی زندگی کے مختلف دائروں کا کردار اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ان کے فرائض و حقوق کا ایک خاکہ سامنے آتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے گھریلو امور کو اس انداز کے استوار رکھے کہ اس کے نتیجے میں کسی کی بھی حق تلفی نہ ہو، نہ اس کے اپنے نفس کا حق مارا جائے، نہ والدین کو اس سے شکایت ہو، نہ اہل خانہ اور اولاد اس سے ناخوش ہو، نہ ملازمین سے اس کا رویہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہو، یہ سب باتیں اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہیں، جب انسان کے سامنے نبیٔ اکرم ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کامل صورت میں موجود ہو، اور اس پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا داعیہ بھی موجود ہو۔

۹۱۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۲۶۳، رقم ۴۷۷۳، ☆ مسلم/ ج ۴، ص ۳۵، رقم ۲۳۱۰

اس مقصد کے لئے اسلام انسان کے اندر سب سے پہلے خوف خدا پیدا کرتا ہے، اور اس کے ذہن میں یہ حقیقت پیوست کر دیتا ہے کہ انسان ہر صورت میں اپنے رب کے سامنے اپنے تمام امور کے لئے جواب دہ ہے، اسلام یہ قانون بھی پیش کرتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے امور کی جواب دہی کرنی ہے، اور ہر شخص اپنے کئے کا خود ہی ذمے دار ہے، اس کی اچھائیاں اسی کے کھاتے میں لکھی جائیں گی، اور اسے اپنی کوتاہیوں اور برائیوں کا خمیازہ بھی خود ہی بھگتنا ہوگا۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ (۹۳)

جس کسی نے کوئی نیک کام کیا تو وہ اپنے ہی لئے کیا اور جس کسی نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل واضح الفاظ میں فرمایا کہ ہر شخص اپنی اپنی حدود میں ذمے دار ہے اور اس کی ذمے داریوں کی بابت اس سے ضرور پوچھ گچھ ہوگی، فرمان نبوت ہے:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته۔ (۹۴)

تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی ذمے داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

ہمارے گھریلو معاملات اسوۂ حسنہ اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کے سبب انتشار و مسائل کا شکار ہیں انسان کی گھر کے حوالے سے اولین خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے لئے جائے امن اور مقام راحت و اطمینان ثابت ہو، لیکن جب گھر کا نظام درست نہج پر استوار نہیں رہتا تو وہاں سکون و اطمینان کی تلاش ایک نہ پوری ہونے والی خواہش اور دم توڑتی ہوئی امید بن جاتی ہے، یہ چیز انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر مزید مسائل و مشکلات سے دوچار کر دیتی ہے، نتیجتاً ایسا شخص مسائل و مصائب کے گرداب میں مسلسل پھنستا چلا جاتا ہے، اس کا حل صرف ایک ہے، اسوۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں اپنے معاملات، طرزِ عمل، رویوں اور اپنے اندازِ زیست کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور ان تمام کوتاہیوں خامیوں اور فروگزاشتوں پر قابو پانے کے لئے فوری طور پر کوشش شروع کی جائے، جن کا ہم اب تک شکار رہے ہیں، اس مقصد کے لئے اسلام عملی زندگی کی اصلاح کا مسلسل درس دیتا ہے، اس کا پیغام تو یہ ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (۹۵)

۹۳۔ حم سجدہ، آیت ۴۶، ۹۴۔ بخاری/کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن، ۹۵۔ سورۂ النجم، آیت ۳۹

اور انسان کو تو وہی کچھ ملتا ہے، جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

اس مقصد کے لئے اسوۂ حسنہ ہمارے لئے بہترین مشعل راہ ہے، کیونکہ اس میں نہ صرف ہدایات ہیں بلکہ آپ ﷺ کے اپنے عمل کی صورت میں ہمارے لئے مکمل راہنمائی بھی ہے، پھر اسوۂ حسنہ ہمارے امور زیست کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کا بھی کمال خوبی کے ساتھ احاطہ کرتا ہے، اس لئے وہاں ابہام کا بھی کوئی سوال نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ حسنہ پر صحیح معنی میں عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

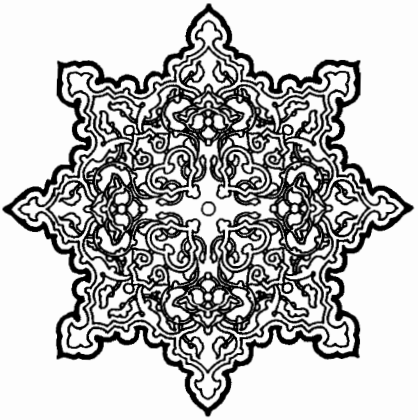

توجہ فرمائیں

تمام خریدار حضرات سے گذارش ہے کہ براہ کرم رابطے کے لئے اپنا فون نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔ شکریہ

ادارہ